ترکی میں تجدیدی تحریک

قسط نمبر ۲ —————— محمد رشید فیروز

عالم اسلامی میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی کے واقعات کے تاریخی جائزے سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے حکمرانوں نے یورپین طاقتوں کی روز افزوں فوجی طاقت کے مقابلے میں جب اپنی مسلح افواج کی کمزوریوں اور انتظامیہ کی خرابیوں کو محسوس کیا تو انھوں نے اپنے دفاعی نظام اور انتظامیہ کو مغربی اصولوں پر منظم کرنے کی ایک تحریک شروع کر دی جس کو ۱۸۳۹ء کے بعد اصلاحات کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اگرچہ یہی تنظیم اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر بھی عمل میں لائی جا سکتی تھی لیکن عثمانی سلاطین اور علماء کے درمیان ان معاملات میں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ چنانچہ حکمران طبقے نے علماء کے سیاسی اثر و اقتدار کو محدود کر دیا اور وہ محض اپنی رائے سے اصلاحات نافذ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ روس، برطانیہ اور فرانس نے سلطنتِ عثمانیہ میں جدید اصلاحات کے نفاذ کو کئی طریقوں سے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ عثمانی حکمران طبقہ ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ یورپین ممالک کے دفاعی نظام اور انتظامیہ کے اصولوں اور قوانین کو اپنا کر وہ مغربی ممالک کی ترقی یافتہ قوموں میں شامل ہو جائیں گے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اصلاحات کے دَور میں سلطنت عثمانیہ کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی۔ اور مسلم قوم اسلام پسند اور تجدد پسند گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت جتنی یورپین ریاستیں تھیں وہ ایک ایک کر کے مغربی طاقتوں کی مدد اور سازشوں کے ذریعے سے آزاد ہوتی چلی گئیں۔

انیسویں صدی کے اخیر تک سلطنت عثمانیہ میں ایک ایسی نئی نسل تیار ہو چکی تھی جس نے مغربی تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اسی نسل کے لوگ حکمران طبقے میں شامل تھے اور وہی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے ذریعے سے انقلابِ فرانس سے پیدا ہونے والے جدید یورپین افکار کو مسلمانوں میں پھیلا رہے تھے۔ انھی جدید تعلیم یافتہ ترکوں نے (YOUNG OTTOMANS) کے نام سے ایک انقلابی تحریک ۱۸۶۵ء میں شروع کی تھی جس کے

بانیوں میں نامق کمال ابراہیم شناسی اور مدحت پاشا جیسے قوم پرست ادیب اور شاعر تھے جن کی کوششوں سے سلطنتِ عثمانیہ کا پہلا دستور ۱۸۷۶ء میں سلطان عبدالحمید ثانی نے نافذ کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد سلطان نے دستور کو منسوخ کر دیا اور اس بنا پر پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا کہ ملک کی فضا ابھی پارلیمانی نظامِ حکومت کے لئے سازگار نہیں ہے۔

۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد سلطان عبدالحمید ثانی کو ۱۸۷۶ء کا دستور دوبارہ نافذ کرنے پر مجبور کیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد انہیں سالونیکا میں جلاوطن کر دیا گیا۔ انقلاب برپا کرنے والے فوجی افسر تھے جن کی تحریک کو ترکی تاریخ میں دوسری نوجوان ترکوں کی تحریک (SECOND YOUNG TURK MOVEWLAT) کہا جاتا ہے۔ ان کی خفیہ تنظیم کا نام انجمن اتحاد و ترقی تھا۔ اسی زمانے میں اس قسم کی تحریکیں یورپ کے مختلف ملکوں میں کمیونسٹوں کی رہنمائی میں چلائی جا رہی تھیں۔ [۱]

۱۹۱۲ء میں مغربی طاقتوں نے اپنی سازشوں سے بلقان کی ریاستوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور جنگِ بلقان کے نتیجے میں بلقان کی ریاستیں آزاد ہو گئیں اس کے بعد البانیہ نے بھی بغاوت کر دی جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم شروع ہو گئی جس میں جرمنی اور سلطنتِ عثمانیہ حلیف تھے۔ اسی جنگ کے دوران عرب ملکوں نے برطانیہ سے مل کر ۱۹۱۶ء میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا جس سے سلطنتِ عثمانیہ کا رہا سہا شیرازہ بھی منتشر ہو گیا۔

روس، برطانیہ اور فرانس نے ۱۹۱۶ء میں ایک خفیہ معاہدے پر دستخط کئے تھے جس کو تاریخ میں (SYKES PICOT AGREEMENT) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس معاہدے کا مقصد یہ تھا کہ یہ تینوں طاقتیں آپس میں سلطنتِ عثمانیہ کے باقی ماندہ علاقوں کو تقسیم کر لیں اور یورپ سے ترک قوم کو بالکل نیست و نابود کر دیا جائے۔ جنگِ عظیم کے خاتمے پر جب جرمنی اور سلطنتِ عثمانیہ نے اپنی شکست تسلیم کر لی تو معاہدۂ مندروس کی مُد سے ایک صلح نامہ پر دستخط کئے گئے لیکن بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ یورپین طاقتیں اپنے وعدوں کی پابند نہیں۔ چنانچہ برطانیہ اور فرانس کے بحری بیڑے استنبول پر قبضہ کرنے کے لئے دارالخلافت میں داخل ہو گئے۔ اور ۱۹۲۳ء تک وہاں مقیم رہے جب معاہدۂ لوزان کی رُو سے ترکیہ کی نئی حکومت کی آزادی کو تسلیم کر لیا گیا۔

اسی پُرآشوب دَور میں ترکی قومیت کی تحریک اُبھری جس کا بانی اور مفکر ترکی شاعر اور ماہرِ عمرانیات

ضیاء گوک آلپ تھا۔ گوک آلپ نے ترکی قومیت کے نظریئے میں تین متضاد نظریوں کے امتزاج کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس کا خیال تھا کہ ترک قوم معاصر یورپین تہذیب کی رکن بن جائے اور اس کا تعلق دینی طور پر اُمت اسلامیہ سے قائم رہے۔ اور ثقافتی طور پر ترک اپنی قدیم آبائی روایتوں کو بھی برقرار رکھیں۔ دینی مراسم اور عبادات کے لئے ترکی زبان استعمال کی جائے۔ ضیاء گوک آلپ کی رائے میں ان اصولوں پر عمل کرنے سے ترک قوم ایک جدید معاشرہ بنانے کے علاوہ ایک جدید اسلامی ریاست بھی قائم کر سکتی تھی۔[۲] لیکن مصطفےٰ کمال کی تحریک وطنیت جو مئی ۱۹۱۹ء میں اُبھری اور ۱۹۲۳ء میں ترکیہ کی آزادی تسلیم کرانے میں کامیاب ہوگئی ضیاء گوک آلپ سے متاثر ہونے کے باوجود زیادہ انقلابی تھی۔ مصطفیٰ کمال نے اپریل ۱۹۲۰ء میں انگورہ (انقرہ) میں نئی ترکی حکومت اور مجلس ملی کبیر کا صدر منتخب ہونے کے بعد اپنی انقلابی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ۱۹۲۲ء میں سلطنت کو ختم کر کے ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ اور ۱۹۲۸ء میں جمہوریہ ترکیہ کو ایک سیکولر یا لادینی ریاست بنا دیا۔ اور اسی سال اسلامی تعلیم کی درس گاہوں کو بند کر کے ترکی زبان کے لئے لاطینی رسم الخط جاری کر دیا۔ عالم اسلام میں خلافت کے خاتمے پر شدید ردِ عمل ہُوا۔ برصغیر میں تحریک خلافت محض ترکی خلافت کی بقا کے لئے زور شور سے چلائی جا رہی تھی۔ لیکن اس وقت ہندوستانی مسلمان یہ اندازہ نہ کر سکے کہ خلافت کے خاتمے کے لئے مغربی طاقتوں نے ترکیہ پر کتنا دباؤ ڈالا تھا اور اس مقصد کے لئے کیا کیا عوامل ایک طویل مدت سے کام کر رہے تھے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصطفیٰ کمال نے محض اپنی سیاسی طاقت اور کوششوں سے ترکیہ کو ایک سیکولر ریاست بنا دیا۔ لیکن درحقیقت یہ ایک غلط فہمی ہے جو تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔ اُنیسویں صدی میں عثمانی سلاطین نے جو مغربی اصلاحات نافذ کی تھیں ان کے نتیجہ میں دفاعی نظام کو مغربی اصولوں پر منظم کیا گیا تھا۔ انتظامیہ فرانس کے اصولوں پر از سرِ نو تشکیل کی گئی تھی۔ اور ۱۸۵۴ء کے بعد مختلف اوقات میں یورپین قوانین کو جاری کیا گیا اور یورپین قوانین کے اصولوں پر جدید عدالتیں بھی قائم کر دی گئی تھیں۔ دینی مدارس کی تنظیم کو نظر انداز کر کے یورپین درس گاہیں کھولی گئیں۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر ترکیہ میں صرف اسلامی عائلی قوانین نافذ تھے اور مجلۂ احکام عدلیہ جسے سلطان عبد العزیز نے جودت پاشا کی سرکردگی میں ممتاز علماء کی ایک کمیٹی سے حنفی قوانین کی تدوین کرا کے مرتب کروایا تھا۔ ۱۹۲۶ء میں یورپین قوانین کے اجراء تک نافذ رہا۔ لیکن اس کی ۱۸۵۱ دفعات میں سے جو معاملات سے متعلق تھیں صرف تین سو دفعات قابلِ عمل رہ گئی تھیں۔[۳]

مصطفیٰ کمال نے نئی قومی تحریک کا آغاز مئی ۱۹۱۹ء میں سمسون سے کیا تھا جو اناطولیہ کے شمال میں ایک مشہور بندرگاہ ہے۔ کاظم کارابکر پاشا بچی ہوئی عثمانی فوج کے دستوں کی مدد سے جنگِ آزادی کی ابتدا کر چکے تھے۔ اگست ۱۹۲۲ء تک ترکی قومی افواج نے مصطفیٰ کمال کی قیادت میں انونو، سقاریہ اور دوملوپنار کے معرکوں میں یونانی افواج کو مکمل طور پر شکست دے کر ازمیر کی بندرگاہ تک یونانیوں کا تعاقب کیا اور دشمن کو سمندر میں دھکیل کر پورے ملک کو دشمن افواج سے پاک کر دیا۔ مصطفیٰ کمال نے قومی حکومت کا مرکز انگورہ میں بنایا جو اس وقت اناطولیہ کا ایک چھوٹا سا پہاڑی قصبہ تھا اور آج کل انقرہ کے نام سے مشہور ہے۔ نئی حکومت اپریل ۱۹۲۰ء میں ترکی پارلیمنٹ یعنی مجلس ملی کبیر کے افتتاح کے بعد سے مصطفیٰ کمال کی قیادت میں ان کی انقلابی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے لگی۔

یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو مجلس ملی کبیر نے ایک قانون کے ذریعے سے سلطنت کو ختم کر دیا۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں پہلی مجلس ملی کبیر کی مدت ختم ہو گئی اور نئے انتخابات کرائے گئے۔ لیکن مجلسِ ملی کبیر کی رکنیت کے لئے صرف انہی امیدواروں کو انتخابات میں شرکت کا موقع دیا گیا جو مصطفیٰ کمال کے ہم خیال تھے۔ نئی مجلس ملی کبیر کا افتتاح گیارہ اگست ۱۹۲۳ء کو ہوا۔ ۲۳ اگست کو مجلس نے معاہدۂ لوزان کی توثیق کر دی جس کی رو سے ترکیہ کی آزادی کو یورپین طاقتوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمہوریۂ ترکیہ کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس موقع پر مجلس کے اراکین نے اور بعض اخبارات نے ترکیہ کو جمہوریہ بنانے کی سخت مخالفت کی۔ مخالفت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۲۸۶ اراکین کی پارلیمنٹ میں صرف ۱۵۸ نے جمہوریہ کے قیام کے حق میں رائے دی۔ ترکوں کی بھاری اکثریت خلافت کو قائم رکھنے کی حامی تھی۔ لیکن ان اقدامات سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ مصطفیٰ کمال کی حکومت خلافت کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

عالمِ اسلامی کے آخری خلیفہ عبدالمجید نے ترکی اخبارات کو کئی بیانات دیئے جن میں انھوں نے خلافت کو قائم رکھنے کی ضرورت پر زور دیا اور اس امر کی وضاحت کر دی کہ ایشیا میں رہنے والے لاکھوں مسلمانوں نے اپنے خطوط، برقی پیغامات اور وفود کے ذریعے سے خلافت کی بقا کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ میں اپنے عہدے سے مستعفی نہیں ہو سکتا۔

روزنامہ "طنین" نے گیارہ نومبر ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں اس موضوع پر ایک اداریہ شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ اگر خلافت ختم ہو گئی تو "عالمِ اسلامی میں ترکیہ کی تمام اہمیت ختم ہو جائے گی۔ اور یورپین

مصطفےٰ کمال نے نئی قومی تحریک کا آغاز مئی ۱۹۱۹ء میں سمسون سے کیا تھا جو اناطولیہ کے شمال میں ایک مشہور بندرگاہ ہے۔ کاظم کارابکر پاشا بچی ہوئی عثمانی فوج کے دستوں کی مدد سے جنگِ آزادی کی ابتدا کر چکے تھے۔ اگست ۱۹۲۲ء تک ترکی قومی افواج نے مصطفیٰ کمال کی قیادت میں انونو، سقاریہ اور دوملو پنار کے معرکوں میں یونانی افواج کو مکمل طور پر شکست دے کر ازمیر کی بندرگاہ تک یونانیوں کا تعاقب کیا اور دشمن کو سمندر میں دھکیل کر پورے ملک کو دشمن افواج سے پاک کر دیا۔ مصطفیٰ کمال نے قومی حکومت کا مرکز انگورہ میں بنایا جو اس وقت اناطولیہ کا ایک چھوٹا سا پہاڑی قصبہ تھا اور آج کل انقرہ کے نام سے مشہور ہے۔ نئی حکومت اپریل ۱۹۲۰ء میں ترکی پارلیمنٹ یعنی مجلس ملی کبیر کے افتتاح کے بعد سے مصطفیٰ کمال کی قیادت میں ان کی انقلابی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے لگی۔

یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو مجلس ملی کبیر نے ایک قانون کے ذریعے سے سلطنت کو ختم کر دیا۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں پہلی مجلس ملی کبیر کی مدت ختم ہو گئی اور نئے انتخابات کرائے گئے۔ لیکن مجلسِ ملی کبیر کی رکنیت کے لئے صرف انہی امیدواروں کو انتخابات میں شرکت کا موقع دیا گیا جو مصطفیٰ کمال کے ہم خیال تھے۔ نئی مجلس ملی کبیر کا افتتاح گیارہ اگست ۱۹۲۳ء کو ہوا۔ ۲۳ اگست کو مجلس نے معاہدۂ لوزان کی توثیق کر دی جس کی رو سے ترکیہ کی آزادی کو یورپین طاقتوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمہوریۂ ترکیہ کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس موقع پر مجلس کے اراکین نے اور بعض اخبارات نے ترکیہ کو جمہوریہ بنانے کی سخت مخالفت کی۔ مخالفت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۲۸۶ اراکین کی پارلیمنٹ میں صرف ۱۵۸ نے جمہوریہ کے قیام کے حق میں رائے دی۔ ترکوں کی بھاری اکثریت خلافت کو قائم رکھنے کی حامی تھی۔ لیکن ان اقدامات سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ مصطفیٰ کمال کی حکومت خلافت کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

عالمِ اسلامی کے آخری خلیفہ عبدالمجید نے ترکی اخبارات کو کئی بیانات دیئے جن میں انھوں نے خلافت کو قائم رکھنے کی ضرورت پر زور دیا اور اس امر کی وضاحت کر دی کہ ایشیا میں رہنے والے لاکھوں مسلمانوں نے اپنے خطوط، برقی پیغامات اور وفود کے ذریعے سے خلافت کی بقا کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ میں اپنے عہدے سے مستعفی نہیں ہو سکتا۔

روزنامہ "طنین" نے گیارہ نومبر ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں اس موضوع پر ایک اداریہ شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ اگر خلافت ختم ہو گئی تو " عالمِ اسلامی میں ترکیہ کی تمام اہمیت ختم ہو جائے گی۔ اور یورپین

سیاست کی نظر میں ہم ایک ادنیٰ ترین اور گمنام ریاست کے حقیر درجے تک پہنچ جائیں گے۔ خلافت کو خانوادۂ عثمان نے حاصل کیا تھا اور ترکیہ میں ہمیشہ کے لئے اس کی بقا اور تحفظ کی ضمانت ہوگئی تھی۔ خلافت کو ضائع کر دینے کا خطرہ مول لینا عقل مندی، وفاداری اور قومی جذبات کے بالکل خلاف ہے۔" ۳۸

۲۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو استنبول کے اخبارات میں جسٹس امیر علی اور ہز ہائی نس آغا خان کا ایک خط عصمت پاشا کے نام شائع ہوا جس میں ہندوستانی مسلمانوں کے دینی احساسات کی ترجمانی کی گئی تھی اور خلافت کے تحفظ پر زور دیا گیا تھا۔ مصطفےٰ کمال نے خلافت کو ختم کرنے کے لئے پہلے سے ہی ایک منصوبہ بنا رکھا تھا کیونکہ وہ ترکیہ کو مغربی طرز کی ایک جمہوری اور سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے۔ لوزان کانفرنس کے دوران اور اس سے قبل انگلستان اور فرانس کے وزرائے اعظم نے جس متعصبانہ ذہنیت کا ثبوت دیا تھا اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ دونوں ملک ترکیہ کی آزادی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اور کسی شرط پر آمادہ ہو سکتے تھے تو وہ یہی شرط تھی کہ خلافت اور سلطنت کو ختم کر کے ایک مغربی طرز کی سیکولر اور قوم پرست ریاست قائم کی جائے۔ مصطفےٰ کمال نے اپنی انقلابی پالیسی انہی دو یورپین طاقتوں سے مرعوب ہو کر بنائی تھی۔ لیکن دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں یہی خیال کیا گیا کہ مصطفےٰ کمال کی حکومت نے محض اپنی سیاسی طاقت کے بل پر خلافت کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو مجلس ملی کبیر نے ایک قانون کے ذریعے خلافت کو ختم کر دیا اور آخری خلیفہ عبدالمجید کو معزول اور جلا وطن کر دیا۔ شریعت اور اوقاف کی وزارتوں کو ختم کر کے وزارتِ تعلیم کی نگرانی میں پورے ملک کے لئے ایک نظامِ تعلیم رائج کر دیا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد عام دینی مدارس بند کر دیئے گئے۔

خلافت کے خاتمے کے بعد مصطفیٰ کمال اور ان کے قریبی ساتھیوں میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے جنرل کاظم کارابکر اور رؤف بے اور ان کے چند ساتھیوں نے مصطفیٰ کمال کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا لیکن جلد ہی مصطفیٰ کمال کو اس کی خبر مل گئی اور یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔ ۱۹۲۵ء میں کرد قبائل نے اپنی ایک آزاد ریاست قائم کرنے کے لئے بغاوت کر دی لیکن وہ بھی ناکام بنا دی گئی۔ ان واقعات کے بعد مصطفیٰ کمال نے مجلسِ ملی کبیر سے ایک قانون منظور کروا لیا جس کے ذریعے سے انھیں آمرانہ اختیارات مل گئے۔ اور ۱۹۲۹ء تک مصطفیٰ کمال کی حکومت ایک خالص انقلابی عسکری اور آمرانہ حکومت کی حیثیت سے اپنی اصلاحات نافذ کرتی رہی۔

جون ۱۹۲۶ء میں ازمیر میں ایک سازش پکڑی گئی جس کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔ اس کے بعد

جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ان میں اکثر کو سزائے موت دے دی گئی۔ کافی عرصے تک فوجی عدالتیں مصطفیٰ کمال کے مخالفین کو سزائے موت دیتی رہیں یہاں تک کہ پورے ملک میں مصطفیٰ کمال کے مخالفین مرعوب ہو گئے۔ فروری ۱۹۲۶ء میں قانون مدنی کا نیا ضابطہ مجلس ملّی کبیر نے منظور کر لیا جو سوئٹزرلینڈ کے قانون مدنی سے اخذ کیا گیا تھا۔ اس قانون کا نفاذ اکتوبر ۱۹۲۶ء سے ہُوا۔ اس کے ساتھ ہی تمام شرعی قوانین منسوخ کر دیئے گئے اور شرعی عدالتیں بھی بند کر دی گئیں۔ رفتہ رفتہ تمام قوانین کو یورپین ممالک کے قوانین کے مطابق مدوّن کیا گیا۔ ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء کو ترکی دستور جو اپریل ۱۹۲۴ء میں نافذ کیا گیا تھا سیکولر بنا دیا گیا۔ اور اس کے دو مہینے بعد لاطینی رسم الخط ترکی زبان کے لئے عربی رسم الخط کی بجائے رائج کر دیا گیا۔[۵]

جون ۱۹۲۸ء میں مصطفیٰ کمال نے ایک دینی اصلاح کا منصوبہ نافذ کرنا چاہا جس کو استنبول یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات نے پروفیسر فواد کوپرلی کی قیادت میں ایک کمیٹی کے ذریعے تیار کروایا تھا۔ اس منصوبے کے چند مقاصد یہ تھے کہ دین اسلام کو سائنٹیفک طریقے سے عوام کو سمجھایا جائے۔ اور ایسے جدید علماء کو تربیت دی جائے جو علوم حاضرہ اور فلسفہ کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کو پیش کر سکیں۔ مساجد میں دینی موسیقی اور آلاتِ موسیقی کا بھی اہتمام کیا جائے۔ خطبات اور عبادت کی زبان ترکی ہونی چاہیئے[۶]۔ یہ منصوبہ شروع سے ہی ناکام ہو گیا۔ اور کسی نے اس پر توجہ نہ کی۔ خود جن لوگوں نے اس منصوبے کو تیار کیا تھا وہ اس پر عمل نہ کر سکے۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۳۲ء میں ترکی اذان کا قانون جاری کیا گیا۔ جس کے خلاف پورے ملک میں شدید ردِ عمل ہُوا۔

مصطفیٰ کمال کی بقیہ اصلاحات کا تفصیلی ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ یہ بتا دینا البتہ ضروری ہے کہ تمام مغربی اصلاحات کے باوجود ترکیہ میں اسلام باقی رہا۔ مصطفیٰ کمال کی زندگی میں ہی ان کی اکثر اصلاحات کے خلاف ترک عوام اور خواص میں شدید ردعمل رونما ہو چکا تھا۔ ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء کو جب مصطفیٰ کمال نے انتقال کیا تو عصمت انونو ان کی جگہ صدر جمہوریہ مقرر ہوئے۔ اور انھوں نے ۱۹۵۰ء تک اپنی ری پبلکن پیپلز پارٹی کی آمرانہ حکومت کے ذریعے سے قومیت اور سیکولرزم کو حد سے زیادہ اہمیت دے کر لسانی اور ثقافتی بحران پیدا کئے۔ جس کے خلاف اسلام پسند طبقوں نے وقتاً فوقتاً احتجاج کیا۔

۱۹۴۵ء میں جب اقوام متحدہ کی رکنیت کے لئے ترکی حکومت نے درخواست دی تو عصمت انونو نے پہلے ہی ڈیموکریٹک پارٹی کی تشکیل کے لئے جلال بایار، رفیق کورلتان اور عدنان مندریس کو اجازت دے دی تھی۔ یہ تینوں حضرات مصطفیٰ کمال کی بنائی ہوئی ری پبلکن پیپلز پارٹی کے سرگرم اراکین تھے۔

لیکن بعض اختلافات کی بنا پر انہوں نے پارٹی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور موقع سے فائدہ اُٹھا کر ڈیموکریٹک پارٹی کی بنا ڈالی۔ یہی پارٹی مئی ۱۹۵۰ء کے عام انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئی۔ اور ترک عوام نے ری پبلکن پارٹی کے استبداد سے آزاد ہونے پر جشن منایا۔ ؎

ڈیموکریٹک پارٹی نے برسرِ اقتدار آتے ہی اپنے وعدوں کے مطابق عربی اذان کی اجازت دے دی، اور ترکی اسکولوں میں دینی تعلیم کو لازمی قرار دیدیا۔ امور دینی کے محکمہ کی توسیع کی گئی۔ اور عوام کو پہلے کی نسبت زیادہ دینی آزادی دے دی گئی۔ نجی سرمائے کو صنعت و تجارت میں پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کئے گئے۔ عصمت انونو کے دَور تک تمام اہم صنعتوں پر حکومت کی اجارہ داری تھی۔ دینی آزادی ملتے ہی اخبارات، رسائل اور کتابوں کے ذریعے سے اسلامی لٹریچر زیادہ سے زیادہ شائع ہونے لگا۔ اور دینی مسائل قومی اخبارات اور جلسوں میں زیرِ بحث آنے لگے۔

ڈیموکریٹک پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سیکولرزم کا دَور ختم ہو گیا۔ عدنان مندریس مرحوم نے جو مئی ۱۹۶۰ء کے فوجی انقلاب تک ترکیہ کے وزیرِ اعظم تھے اپنے بیانات میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ ری پبلکن پیپلز پارٹی نے سیکولرزم کو ناجائز طور پر استعمال کیا اور ترک عوام کو اپنی اسلامی روایات سے محروم کرنے کی کوشش کی۔ ڈیموکریٹک پارٹی نے صرف دینی آزادی کو دوبارہ قائم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ ترکیہ کے بین الاقوامی تعلقات میں ایک نئی پالیسی کا آغاز کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی ملکوں سے سیاسی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات استوار کئے جائیں۔ اسی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے پاکستان اور ایران اور عراق کے ساتھ مل کر بغداد کے معاہدے میں شرکت کی جو بعد میں عراق کی علیحدگی کی وجہ سے سینٹو کے نام سے مشہور ہُوا اور اس کا مرکز بغداد کی بجائے انقرہ منتقل کر دیا گیا۔

جولائی ۱۹۶۴ء میں ترکیہ، پاکستان اور ایران کے سربراہوں نے معاہدۂ استنبول پر دستخط کئے اور علاقائی تعاون کی بنیاد ڈالی۔ جس پر ابھی تک تسلی بخش طور عمل کیا جا رہا ہے۔

ترکیہ میں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۵۰ء تک اسلام کا اثر کیسے قائم رہا۔ یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس دَور کے متعلق مغربی مصنفین خصوصاً مستشرقین نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ ترکیہ میں اسلام پر عمل صرف مساجد تک ہی محدود رہا۔ لیکن یہ ایک غلط رائے ہے جس کا مقصد مسلمانانِ عالم کو ایک دوسرے سے متنفر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ۱۹۲۸ء میں دینی مدارس کے بند کرنے سے ۱۹۵۰ء تک ترک نوجوانوں کی

ایک نسل تو یقیناً اسلام کی اعلیٰ تعلیم سے محروم ہوگئی مگر اس کے باوجود ترکوں میں اسلام سے نہ صرف عقیدت باقی رہی بلکہ گھرانوں میں نجی طور پر دینی تعلیم بھی جاری رہی۔ ترک معاشرے میں اماموں اور علماء کا احترام ہمیشہ سے رہا ہے۔ اس کے علاوہ صوفیاء کے سلسلہ ہائے طریقت مثلاً نقشبندیہ، مولویہ، قادریہ، شاذلیہ اور تیجانیہ کی تبلیغ قانونی پابندیوں کے باوجود مصطفےٰ کمال اور عصمت انونو کے دور میں بھی جاری رہی۔ مولانا روم کی درگاہ جو قونیہ میں واقع ہے آج بھی ایسی ہی مرجع خلائق بنی ہوئی ہے جیسی گزشتہ صدیوں میں تھی۔ مولانا روم کا عرس آج بھی اہتمام و عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ مصطفےٰ کمال کی حکومت نے تمام درگاہوں اور خانقاہوں کو بند کر کے ان کی جائداد کو سرکاری تحویل میں لے لیا تھا لیکن مولانا روم کی درگاہ کو قائم رہنے دیا گیا۔ ان کے سجادہ نشین اب بھی اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ۳۵

ترک قوم ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک عالم اسلام میں ایک نمایاں کردار ادا کرتی رہی ہے۔ اس لئے ترکوں کا اسلامی مزاج تمام مغربی اصلاحات کے باوجود بدل نہیں سکا۔ موجودہ دور میں ترکیہ کی آبادی تقریباً سوا تین کروڑ ہے جس میں سے تقریباً ۹۹ فی صدی مسلمان ہیں۔ مغرب زدہ ترکوں میں بھی اسلام کی بہت سی اچھی روایات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً آزاد خیال ترکوں کے گھرانوں میں بھی ماں باپ کی خدمت کو ضروری فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ ترک خواتین چاہے کتنی ہی تعلیم یافتہ یا آزاد خیال ہوں اپنے والدین کی رضامندی کے بغیر شادی نہیں کرتیں؛ بہت سے آزاد خیال ترک مسلمان بھی رمضان شریف کے مہینے میں روزے رکھتے ہیں۔ استنبول کی مساجد کی خوب صورتی اور صفائی اور ان مساجد کے علماء اپنی بصیرت افروز تقاریر اور مواعظ کے لئے آج بھی دنیا بھر میں مشہور ہیں۔

ائمہ مساجد اور خطیبوں اور مؤذنوں کی تربیت کے لئے دو درجن سے زائد مدارس ترکیہ کے مختلف شہروں میں کام کر رہے ہیں۔ ترک عوام میں دیانت داری، خوش اخلاقی اور صفائی کا معیار آج بھی اتنا ہی بلند ہے جتنا گزشتہ ادوار میں۔ عربی، فارسی اور دیگر مشرقی زبانوں کی تعلیم یونیورسٹیوں میں دی جا رہی ہے۔ ترکیہ میں سب سے زیادہ اخبارات، رسائل اور کتابیں آج بھی اسلام سے متعلق مضامین کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ اعلیٰ اسلامی تعلیم کے لئے استنبول، قونیہ اور ازمیر میں خصوصی کالج قائم کئے گئے ہیں۔ استنبول یونیورسٹی میں اسلامی تحقیقات کا ایک ادارہ ۱۹۳۳ء سے کام کر رہا ہے۔ عصمت انونو کے عہد حکومت میں انقرہ یونیورسٹی میں ایک دینیات کا شعبہ قائم کیا گیا تھا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے اقتدار کے زمانے میں انقرہ یونیورسٹی

میں پاکستانی تاریخ اور اُردو کی تعلیم کے لئے ایک علیحدہ شعبہ کھولا گیا۔

عالم اسلامی میں ترکوں کی تجدد پسند تحریک کے کیا نتائج رونما ہوئے اس بحث کے لئے ایک علیحدہ اور طویل مقالہ درکار ہے۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اکثر و بیشتر اسلامی ملکوں میں جو دوسری جنگِ عظیم کے بعد آزاد ہوئے ہیں ترکیہ کی سیکولرزم کو استحسان کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور گزشتہ بیس سال کے عرصے میں بہت سے اسلامی ملکوں نے سیکولر ریاستیں قائم کرلی ہیں جن میں سے ایک بڑی تعداد ایسی ریاستوں کی ہے جو پچھلے چند سالوں میں سوشلزم کے اصولوں کو اختیار کر چکے ہیں۔ ترکیہ کی سیکولرزم کا سب سے شاندار پہلو یہ ہے کہ ترک قوم نے سیکولرزم کے بُرے نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دینی اور اخلاقی اصلاح و تربیت کے لئے بعض ٹھوس قدم اُٹھائے ہیں اور مصطفیٰ کمال کی حکومت کے زعماء کا یہ قول کہ دین صرف انسانی ضمیر سے تعلق رکھتا ہے غلط ثابت ہو چکا ہے۔ گزشتہ بیس سال کے عرصے میں ترکی سیاست پر اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات سے اکثر مغربی مصنفین اور سیاست دان، خصوصاً مستشرقین بہت پریشان ہیں۔ اور ان کا یہ خیال ہے کہ اگر اسلام کا اثر اسی تیزی سے بڑھتا رہا تو ترکیہ ترقی پسند ممالک کی صف سے علیحدہ ہو کر رجعت پسند ملکوں میں شامل ہو جائے گا۔ یہ محض تعصب کی بنا پر کہا جا رہا ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

راقم الحروف کو خود تقریباً ایک سال انقرہ میں قیام کے بعد اور استنبول اور بعض دیگر ترکی شہروں میں سیاحت کے دوران مختلف طبقات سے متعلق ترکوں سے گفتگو کرنے کے بعد یہ یقین ہو گیا کہ ترک قوم فطری طور پر مسلمان ہے۔ اور اسلام ہی کو اپنا وسیلۂ نجات اور ترقی سمجھتی ہے۔ ترک عوام اور لیڈروں میں یکساں طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ترکیہ آئندہ بھی عالم اسلامی میں ایسا ہی نمایاں کردار ادا کرنے کا خواہش مند ہے جیسا کہ گزشتہ ہزار سال سے زیادہ کی اسلامی تاریخ شاہد ہے۔ ۹

حواشی و حوالہ جات

۱- SHERIF MARDIN, THE GENESIS OF YOUNG OTTOMAN THOUGHT PRINCETON ، 1962ء) اس کتاب میں مصنف نے پہلی نوجوان ترکوں کی تنظیم سے متعلق اچھی معلومات فراہم کی ہیں۔ ترکی زبان میں اس موضوع پر بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انگلش زبان میں ایک مستشرق پروفیسر برنارڈ لوئس کی مندرجہ ذیل کتاب میں بھی اس

موضوع پر اچھا مواد موجود ہے۔ BERNARD LEWIS, THE EMERGENCE OF MODERN TURKEY, LONDON, 1961

۲ - اس موضوع پر سب سے اچھی معلومات ضیا گوک آلپ کی مندرجہ ذیل کتاب سے مل سکتی ہے:
ZIYA GÖKALP, TÜRKÇÜLÜĞÜN ESASLARE (THE FOUNDATIONS OF TURKISH NATIONALISM) ISTANBUL, 1958
کینیڈا کی (MC GILL) میکگل یونیورسٹی کے پروفیسر نیازی برکس نے ضیا گوک آلپ کے ترکی قومیت سے متعلق چیدہ چیدہ مضامین کا انگلش میں ترجمہ کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔

۳ - محمود اسعد ترکی وزیر قانون کی ترکی مجلس ملی کبیر میں فروری ۱۹۲۶ء کی تقریر میں جو ترکی قانونِ مدنی کا بل پیش کرتے وقت انہوں نے کی تھی ان حقائق کے علاوہ یہ رائے بھی ظاہر کی گئی تھی کہ "ریاست کی نظروں میں دین اس وقت محترم اور محفوظ ہوتا ہے جب وہ محض انسانی ضمیر تک محدود ہو"۔ بالفاظِ دیگر اگر دین کا اثر انسانی ضمیر سے نکل کر معاشرے پر چھا جائے تو ریاست کی نظروں میں دین نہ محترم رہے گا اور نہ محفوظ۔ یہ تقریر ترکی قانون مدنی کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ راقم الحروف کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے آخر میں ترکی وزیر قانون کی مذکورہ بالا تقریر کا مکمل انگلش ترجمہ دیا گیا ہے اس مقالے کا عنوان مندرجہ ذیل ہے: MUHAMMAD RASHID FEROZE, ISLAM AND SECULARISM IN POST_KEMALIST TURKEY, ISLAMIC RESEARCH INSTITUTE, ISLAMABAD, JULY 1958) یہ مقالہ کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ اسلامی کو پیش کیا جا چکا ہے۔

۴ - مصطفےٰ کمال، نطق، انقرہ، ۱۹۲۷ء، صفحات ۵۰۲ تا ۵۰۳ - یہ کتاب ترکی زبان میں ہے اور اس کا رسم الخط عربی ہے۔ مصطفیٰ کمال نے یہ مشہور تقریر ری پبلکن پیپلز پارٹی کے جلسے میں کی تھی جس میں ترکی انقلاب یعنی ترکوں کی جنگِ آزادی اور نئی ترکی ریاست کے قیام سے متعلق انھوں نے بہت سی تاریخی تفصیلات پیش کی تھیں۔ اس تقریر کا فرنچ اور جرمن ترجمہ بھی اسی سال شائع ہو گیا تھا۔

۵ - روس میں باکو کے شہر میں بالشویک حکومت نے مارچ ۱۹۲۶ء میں ترکی لسانیات کے ماہروں کی ایک کانفرنس منعقد کی تھی جس میں لاطینی حروف کو چند تبدیلیوں کے ساتھ وسط ایشیا کی ترکی زبانوں کے لئے

عربی رسم الخط کی بجائے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کانفرنس میں پروفیسر فواد کوپریلی ترکیہ کے نمائندے تھے۔ انھوں نے اپنے وطن واپس پہنچ کر انہی حروف کو ترکی زبان کے لئے استعمال کرنے کے لئے مصطفیٰ کمال کو اپنا مشورہ دیا جو منظور کر لیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد بالشویک حکومت نے وسط ایشیائی ترکی زبانوں کے لئے روسی رسم الخط رائج کر دیا جو "CYRILLIC" کے نام سے مشہور ہے اور یونانی حروف سے اخذ کیا گیا ہے۔ رسم الخط کی تبدیلی سے ترکیہ کی نئی نسل اپنے آباء و اجداد کی زبان سے اچھی واقفیت حاصل کرنے سے محروم ہو گئی۔

۶ - ترکی دینی اصلاح کے پروگرام کا انگلش ترجمہ جرمنی کے مندرجہ ذیل رسالے سے لیا گیا ہے:

DIE WELT DES ISLAMS "DER ISLAM IN DER NEUEN TÜRKEI", BY GOTLHARD JÄSCHKE, VOL. I, No: 1-2; J. BRILL, LEIDEN, 1951, P.P. 65-68-

۷ - مندرجہ بالا کتاب میں جو جرمنی کے مشہور رسالے کا خصوصی شمارہ ہے، اس واقع پر تفصیل سے تبصرہ کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ری پبلکن پیپلز پارٹی کی انتخابات میں شکستِ فاش پر ترک عوام نے جشن منایا، کیونکہ اب وہ اس مادہ پرست پارٹی کے استبداد سے آزاد ہو رہے تھے۔ برنارڈ لوئیس نے بھی اپنی کتاب مذکورہ بالا میں اسی سے مماثل تبصرہ کیا ہے۔

۸ - راقم الحروف نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مذکورہ بالا مقالے میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

۹ - مندرجہ بالا ڈاکٹریٹ کے مقالے کے آخری باب میں ترکیہ کی قومی زندگی پر اسلام کے اثرات سے تفصیلی بحث کی ہے۔

○ ○ ○

۱۹۸۲ء